© rasailojaraid.com

دیارِ غرب کے مشاہدات و تاثرات

سعید احمد اکبر آبادی

(۹)

اگر آپ بیمار ہیں تو حکومت کے قاعدہ اور قانون کے ماتحت تین دن سے زیادہ آپ اپنے مکان پر نہیں رہ سکتے، اس کے بعد لامحالہ آپ کو شفاخانہ میں داخل ہونا ہوگا، اور وہاں آپ کو دوا، غذا، اور نرسنگ کی وہ تمام سہولتیں ملیں گی جو ہمارے ملک میں صرف دولتمند اصحاب ہی حاصل کرسکتے ہیں، دوا یا غذا میں مجال ہے کہ کوئی کسی قسم کی بھی ملاوٹ ہو، گندگی کا کہیں نام نہیں، سستی اور کاہلی، بے پروائی اور فرض ناشناسی کا گذر نہیں، اگر آج کسی گھر میں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے تو جب تک وہ ایک خاص عمر تک نہیں پہنچے گا ماں باپ کا فرض ہوگا کہ ہفتہ میں ایک دن اپنے علاقہ کے ادارۂ صحت میں لاکر بچّہ کا معائنہ کراتے رہیں گے، یہاں بچّہ کا وزن لیا جائے گا اور اس کی تندرستی کی جانچ ہوگی اور اب اُس میں جس چیز کی کمی ہوگی اُس کی تلافی فقط غذا یا دوا سے یا دونوں سے کی جائے گی، بچّوں کے لئے نرسریز تو جگہ جگہ قائم ہیں ہی، شہر کے مختلف علاقوں میں تھوڑے تھوڑے فصل سے جو پارک اور باغات ہیں اُن میں بھی بچّوں کے کھیلنے کودنے اور سیر و تفریح کے سامان مہیا ہیں، ان بچّوں کی نگرانی اور ان کی تربیت کس اہتمام اور دل سوزی سے ہوتی ہے؟ اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ ایک مرتبہ شام کے وقت میں ایک پارک میں بنچ پر بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں ایک خاتون اپنی بچی کو لے کر وہاں پہونچ گئی اور میرے قریب کی بنچ پر بیٹھ گئی، اب اُس نے بچّی کو کھلانا شروع کیا، تو وہ گیند پھینکتی اور بچّی اس کے پیچھے دوڑتی اور پھر گیند اُٹھا کر ماں کی طرف پھینک دیتی تھی، ایک مرتبہ بچّی نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گیند پھینکی اور وہ اتفاق سے میری طرف آگئی، میں نے گیند اٹھا کر بچی کو دی جو ڈھائی تین برس سے زیادہ کی نہیں ہوگی تو اُس نے بڑے معصومانہ انداز میں پہلے "تھینک یو" کہا اور پھر گیند لے کر اچھلتی کودتی چلی گئی۔

ہاں تو ذکر فیلو فیلنگ کا ہو رہا تھا، اس سلسلہ میں دو تین واقعات اور سن لیجئے جو مجھے یاد رہ گئے ہیں اور جن کا میرے قلب پر بڑا اثر ہوا ہے، مارچ ۶۳ء کے آخری ہفتہ کا ذکر ہے، علی گڈھ سے مجھے ایک دوست کا خط ملا جس میں انھوں نے میرے ایک بچہ کے متعلق لکھا تھا کہ وہ سخت بیمار رہے، مگر اُس کا علاج بڑی توجہ سے ہو رہا ہے اور ڈاکٹر کو اطمینان ہے کہ وہ اچھا ہو جائے گا، میرے گھر سے برابر خط آتے رہتے تھے، لیکن گھر کے کسی شخص نے مجھ کو پریشانی سے بچانے کے لئے اس بچہ کی علالت کا حال نہیں لکھا تھا، اب ایک دوست کے خط سے اچانک اطلاع ہوئی تو پریشان ہونا لازمی تھا، اتفاق سے ظفر اسحٰق صاحب انصاری جن کو مجھ سے نہایت مخلصانہ تعلق اس درجہ کا تھا کہ وہ اپنی ننھی مُنّی اور بڑی پیاری بچی اسماء سے مجھے دادا کہلواتے تھے اُن کو اس خط کی خبر ہوگئی اور انھوں نے اُسی دن شام کے چار بجے جبکہ ہم سب لوگ کامن روم میں اک ساتھ چائے پی رہے تھے پروفیسر اسمتھ سے اس کا ذکر کر دیا، میں پیالی ہاتھ میں لئے الگ ایک صوفہ پر بیٹھا ہوا تھا، پروفیسر اسمتھ یہ خبر سنتے ہی فوراً میرے پاس پہونچے اور سلام کر کے صوفہ پر بیٹھ گئے اور بڑی غمگین اور ہمدردانہ آواز میں بولے، مجھے انصاری سے ابھی آپ کے بچہ کی علالت کا حال معلوم کر کے بڑا دکھ ہوا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے بچہ کی بیماری اور اُس کے علاج کے بارہ میں مختلف سوالات کئے جن کا میں جواب دیتا رہا، آخر میں انھوں نے فرمایا "اگرچہ انسٹیٹیوٹ کی موسم گرما کی تعطیلات کے شروع ہونے میں ابھی ڈیڑھ مہینہ باقی ہے اور آپ کا سیمینار ختم بھی نہیں ہوا ہے لیکن اگر آپ وطن جانا چاہتے ہیں، تو بلا تامل کل ہی روانہ ہو جائیے، میں سب انتظامات کرا دوں گا، میں نے انکار کیا تو بولے "اچھا! ۷ر اپریل کو آپ کا سیمینار ختم ہوگا، آپ ۸ر کو روانہ ہو جائیے، جب شکریہ کے ساتھ میں نے اس سے بھی معذرت کی اور کہا کہ میرا ارادہ سشن ختم کر کے ہی ۱ر مئی کو روانہ ہونے کا ہے تو اب انھوں نے کہا" جب آپ نہیں مانتے تو یہی سہی، لیکن جب گھر سے خط آئے مجھ کو بچہ کے حال سے ضرور مطلع کر دیجئے، اسمتھ صاحب نے یہ پرسش حال صرف اپنے تک محدود نہیں رکھی، دوسرے ممبران اسٹاف کو بھی اپنا شریک بنا لیا۔ چنانچہ جب تک بچہ کی بالکل صحت یابی کی اطلاع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں آگئی، روزانہ ہر شخص پہلی ملاقات میں بچہ کی خیریت دریافت کرتا تھا، "اپنا غم تو ہر شخص کھاتا ہے مگر بات اس وقت ہے جب دوسروں کا غم کھائے۔"

کناڈا میں آپ کو معلوم ہے بلا کی سردی پڑتی ہے، موسم سرما میں پارہ حرارت درجۂ صفر سے بھی پچیس ۲۵ تیس ۳۰ درجہ نیچے پہونچ جاتا ہے۔ برف باری سے عجیب منظر نظر آتا ہے، عمارتیں، سڑکیں، میدان، درخت، کھمبے، بسیں اور کاریں ہر چیز معلوم ہوتا ہے نہایت صاف و شفاف سپید چادر اوڑھے ہوئے ہے، درختوں کے پتے جب برف سے ڈھک جاتے ہیں تو کوئی مثلث، کوئی مربع، کوئی چڑیا اور کبوتر اور کوئی بلی اور بندر کی عجیب عجیب شکلیں اختیار کر لیتے ہیں اور بڑے حسین لگتے ہیں۔ سڑکوں پر ایک ایک دو دو فٹ برف جمی ہوئی ہے، جب یہ برف پگھلتی ہے تو کیچڑ اس قدر ہو جاتی ہے کہ چلنا دوبھر ہوتا ہے، چونکہ برف پر موٹر کاروں کے چلنے سے اُن کے پھسل جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے حکومت کی طرف سے یہ انتظام ہے کہ برف باری کے بند ہوتے ہی بڑے بڑے ٹرک باہر نکل آتے ہیں، اور دو دو ایک ساتھ مل کر پورے شہر میں اس طرح چلتے ہیں کہ اگلے ٹرک میں جو نسبتاً چھوٹا ہوتا ہے آگے کی جانب ایک طویل و عریض بیلچہ سا لگا ہوتا ہے، یہ بیلچہ زمین پر سے برف کھرچ کھرچ کر ایک مشین کے ذریعہ پچھلے ٹرک میں پھینکتا جاتا ہے، جب پورا ٹرک بھر جاتا ہے، تو جگہ جگہ ڈمپ بنے ہوئے ہیں۔ اُن میں برف کو جمع کر دیا جاتا ہے، اس طرح اُن ڈمپس میں برف کے پہاڑ بنتے چلے جاتے ہیں، لیکن تمام سڑکیں تھوڑی دیر میں ایسی صاف ہو جاتی ہیں کہ برف کا کوئی نشان ان پر نظر نہیں آتا۔ پورے موسم سرما میں صرف ایک شہر مونٹریل میں اس طرح لاکھوں ٹن برف صاف کی گئی ہو گی اور اس پر لاکھوں ڈالر خرچ آئے ہوں گے۔

برف باری کے دوران میں تو نہ سردی ایسی کچھ زیادہ محسوس ہوتی ہے اور نہ ہوائیں ہی کچھ تیز و تند چلتی ہیں، لیکن اس کے بعد موسم یکایک بہت شدید اور سخت ہو جاتا ہے اور اس پر برفانی ہواؤں کی آندھیاں جو چلتی ہیں تو بس! کچھ نہ پوچھئے، خدا کی پناہ! لوگ جوتوں پر ایک اور جوتہ جو بڑا ہوتا ہے، اور "بالائی جوتہ" (OVER SHOE) کہلاتا ہے استعمال کرتے ہیں، ہاتھوں میں دستانے، عموماً چمڑے کے اور دبیز پہنتے ہیں اور کانوں پر "گوش پوش" رکھتے ہیں جسے وہاں ایرمف (EAR MUFF)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہتے ہیں، سر کی حفاظت ٹوپی سے کی جاتی ہے اور پھر قل اُور اور گرم کوٹ پر حسٹر یا اور کوٹ کے سوا تو چارہ ہی نہیں، جیساکہ ابھی عرض کیا ربڑ کے بالائی جوتہ کا یہ فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ پاؤں یخ بستہ ہونے سے بچ جاتا ہے۔ لیکن اگر ان جوتوں کے ساتھ کبھی برف پر چلنے کی نوبت آجائے تو پھر پھسلنے کا بڑا اندیشہ رہتا ہے اور یہاں آدمی پھسل کر گرا نہیں کہ تڑاخ سے ہڈی ٹوٹی، چنانچہ اس موسم میں ٹانگ کی ہڈی کے ٹوٹنے کے واقعات اکثر پیش آتے ہیں - اور لوگ بھی کچھ عادی سے ہو گئے ہیں - لڑکے اور لڑکیاں برف پر کھیلتے ہیں، اسکیٹنگ کرتے ہیں، جو اُن کا محبوب اور گویا کہ قومی کھیل ہے، دھڑام سے گرتے ہیں ہڈیاں ٹوٹتی ہیں، مگر پرواہ نہیں کرتے، شفاخانہ میں داخل ہوئے، ڈیڑھ دو مہینے کے بعد ہڈی جڑ گئی اور چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے تو پھر وہی کھیل کھیلنے لگے، میں ہوٹل سے انسٹیٹوٹ جس راستہ سے آتا جاتا تھا اُس میں بڑے نشیب و فراز اور پیچ و خم تھے اور برف باری کے دنوں میں بسا اوقات برف پر چلنا پڑتا تھا، میرے لئے یہ ایک نیا تجربہ تھا اس لئے شروع میں تو کچھ جھجک ہوئی اور پاؤں ڈرتے ڈرتے پڑتے تھے، اور کئی مرتبہ لڑکھڑا کر گرنے سے بال بال بچا بھی، لیکن اس کو وہاں کی آب و ہوا اور فضا کا اثر کہئے یا میری اسپورٹسمین اسپرٹ جو واقعی میرے اندر موجود ہے! کہ پھر مجھے بھی عادت سی ہو گئی، اب نہ صرف یہ کہ مجھے برف پر چلنے میں تامل نہیں ہوتا تھا، بلکہ اس میں لطف آتا تھا، بعض مرتبہ یہ بھی خیال ہوا کہ اسکیٹنگ کروں، لیکن چونکہ مشق نہیں تھی اس لئے باز رہا - طالبِ علمی کے زمانہ میں ہاکی اور فٹ بال میرے محبوب کھیل رہے ہیں اور بدمنٹن تو میں کلکتہ کے زمانہ تک کھیلتا رہا ہوں، کلکتہ میں جب تھا تو اپنی موٹر خود چلاتا تھا - لائسنس اب تک ہے مگر موٹر ہی نہیں تو کس کام کا! مونٹریل میں اگرچہ اسکیٹنگ میں نے خود نہیں کیا، لیکن اتوار کے دن جب کبھی موقع ملتا میں دیکھ ضرور آتا تھا -

ہر چند کہ سردی یہاں اتنی شدید ہوتی ہے کہ ضرب المثل بن گئی ہے، لیکن یہ سردی آپ کے لئے صرف اُس وقت ہے جب کہ آپ سڑک پر یا کسی میدان یا پارک میں یعنی کھلی جگہ میں ہوں، ورنہ بجلی کی روشنی اور گیس کی طرح پورے ملک میں سنٹرل ہیٹنگ ارجمنٹ ہے جو ہر گھر، ہر دفتر، ہر دکان اور ہر عمارت کے ہر حصہ میں ہے، اس میں ریگولیٹر بھی ہوتا ہے، آپ حسب ضرورت حرارت کم یا زیادہ کر سکتے ہیں، اس انتظام کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باعث باہر خواہ کیسی ہی قیامت گذر رہی ہو جب تک آپ اندر ہیں صرف ایک پتلون اور قمیص میں بیٹھے رہئے۔ اور وقتِ خواب کسی لحاف وغیرہ کی ضرورت نہیں، ایک معمولی سا پتلا کمبل کافی ہے۔ اس "نظمِ گرم سازی" (HEATING ARRANGEMENT) کا یہ فائدہ تو ضرور ہے ——— اور کوئی شبہ نہیں کہ بہت عظیم فائدہ ہے ——— کہ سردی سے حفاظت ہو جاتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی ایک نقصان بھی ہے اور وہ یہ کہ چونکہ اس انتظام کی وجہ سے لوگوں کو بالکل بند مکانوں میں رہنا پڑتا ہے جن میں تازہ ہوا کی آمد و شد کے لئے کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ اس لئے عام طور پر پھیپھڑے خراب ہو جاتے اور دق کی بیماری لگ جاتی ہے۔ اس سے بچاؤ کے لئے خاص خاص قسم کی طبی گولیاں، شربت اور بعض اور دوائیں ہیں جنہیں لوگ استعمال کرتے ہیں، مسیز وڈاسکا جو ہمارے انسٹیٹوٹ میں آفس سپرنٹنڈنٹ اور نہایت شریف و ہمدرد خاتون ہیں، انھوں نے مجھ کو بھی ایک دوا کا نام بتا کر تاکید کی تھی کہ جاڑوں جاڑوں اُس کا استعمال ضرور کروں، لیکن میں نے موصوفہ کے مشورہ پر عمل نہیں کیا، صرف کاڈلور آئل کی ایک بوتل لا کر رکھی تھی اور وہ بھی ½ سے زیادہ نہیں پی گئی، مگر خدا کا شکر ہے پورا موسم بہمہ وجوہ خیریت و عافیت کے ساتھ گذر گیا اور حرارت، نزلہ، زکام، کھانسی اور دردِ سر وغیرہ کی کوئی شکایت کبھی نہیں ہوئی، اُس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ میں تازہ ہوا اور کھُلی فضا کا عاشق ہوں، اس لئے برف باری کے زمانہ میں جب کبھی آسمان صاف ہوتا۔ اور بادل کھُلتے تھے تو میں بشرطِ فرصت فوراً باہر نکل جاتا اور گھومتا پھرتا تھا، انسٹیٹوٹ بھی ہمیشہ پاپیادہ آتا جاتا تھا۔ پوری مدتِ قیام میں انتہائی سخت برفباری کی وجہ سے غالباً صرف تین یا چار مرتبہ ٹکسی میں گیا ہونگا، پھر علی الصباح ٹہلنے کا میں ایسا ہی پابند ہوں جیسا کہ نماز کا، اور میرا یہ معمول مونٹریل میں بھی ناغہ نہیں ہوا۔ البتہ وقت بدل گیا، صبح کے بجائے رات کا کھانا کھا کر نکلتا تھا اور گھڑی دیکھ کر کم از کم ایک گھنٹہ چلتا تھا، راستہ کوئی ایک متعین نہیں تھا، کبھی کسی طرف نکل گیا اور کبھی کسی طرف، پھر صبح کے ٹہلنے میں حضرت والد صاحب قبلہ جو آگرہ کے نامی گرامی ڈاکٹر تھے، اُن کی ہدایت کے مطابق میں اس بات کا خیال رکھتا ہوں کہ مُنہ، کان اور گردن کھُلے رہیں اور سر ننگا نہ ہو تو کوئی ہلکی ٹوپی ہو اور سانس گہرا لیتا ہوں، یہی میرا معمول وہاں بھی رہا، لوگ حیرت کرتے تھے، مگر جب برف میں ڈوبی ہوئی ہوا کے تھپیڑے میرے چہرہ، کانوں اور گردن پر پڑتے تھے تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجھے لطف آتا تھا، غرض کہ وہاں چوبیس گھنٹہ بند پڑا رہنا سخت مضر ہے، سردی سے حفاظت تو ہو جاتی ہے لیکن دوسرے آزار لگ جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کی جو خواتین زیادہ چلنے پھرنے کی عادی نہیں اُن کی صحت پر کناڈا کی آب و ہوا کا اچھا نہیں بلکہ بُرا اثر ہوا ہے اور اُن کے چہروں پر وہ شادابی نظر نہیں آئی جس کی وہاں توقع ہو سکتی تھی۔

جی ہاں! تو ذکر اسی فیلو فیلنگ کا تھا۔[1] ہوا یہ ایک روز شب کے گیارہ ساڑھے گیارہ بجے کا عمل ہوگا۔ میں مطالعہ سے فارغ ہو کر سو جانے کا ارادہ کر رہا تھا۔ کہ میں نے کسی قدر ہلکی سردی محسوس کی، مگر وجہ کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ اتنے میں میں نے کمرہ کے دروازہ پر دستک سنی، مسہری سے اُٹھا اور دروازہ کھولا تو دیکھا ہنگری کی ایک خاتون جو میری طرح اس ہوٹل میں مستقل رہتی تھیں، کھڑی ہوئی ہیں، اس ناوقت اور خلاف عادت و رسم اُن کو دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور تشویش بھی، انھوں نے پہلے تو ناوقت آنے کی مجھ سے معذرت کی اور پھر بولیں، "مسٹر اکبر آبادی! شاید آپ کو معلوم نہیں مشین میں خرابی ہو جانے کی وجہ سے ہمارے ہوٹل کا نظمِ گرمسازی فیل ہو گیا ہے اور اس وجہ سے سردی محسوس ہو رہی ہے، منیجر کو اطلاع کر دی گئی ہے، مگر اس کے درست ہوتے ہوتے دیر لگے گی، میں آپ سے یہ کہنے آئی ہوں کہ میرے پاس ہیٹر موجود ہے، میں وہ آپ کے کمرہ میں لاکر لگائے دیتی ہوں،، میں نے کہا "شکریہ! مگر آپ!" جواب دیا "میرے پاس ایک اور ہے ضرورت ہوئی تو میں وہ استعمال کر لوں گی" میں نے کہا "تو بہت اچھا! میں خود آپ کے کمرہ میں چلتا ہوں میں لے آؤں گا۔ اُس نے کہا "جی نہیں! میں خود لاؤں گی! چنانچہ بھاگی ہوئی گئی اور ہیٹر لاکر میرے کمرہ میں مسہری کے پاس ایک سوئچ لایا تھا اُس میں لگا دیا اور انتظار کرتی رہی، جب گرم ہو گیا تو شب بخیر کہہ کر واپس ہو گئی، اسی طرح کا ایک اور واقعہ اسی ہوٹل میں ایک مرتبہ یہ پیش آیا کہ میں حسب معمول ۹ بجے صبح کو انسٹیٹوٹ

---

[1] ازراہِ کرم یہ یاد رکھئے کہ میں نے "مشاہدات و تاثرات" کا طرز قصداً ایک مقالہ کا نہیں رکھا ہے، بلکہ یہ یاران سرپل کی گفتگو یا ٹیبل ٹاک ہے جو میں آپ سے کر رہا ہوں، اس لئے اس میں مقالہ کی سی خاص ترتیب اور نظم و نسقِ عبارت کی امید نہ رکھئے آئندہ آپ دیکھیں گے اسی طرح باتوں باتوں میں کتنے ہی اہم قومی بین الاقوامی، سماجی اور مذہبی معاملات و مسائل زیرِ گفتگو آجائیں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جانے کے لیے اپنے کمرہ سے باہر نکلا اور اتفاق سے اس وقت میرے چیسٹر کا ایک بٹن ٹوٹا ہوا تھا، میں نے اس کی پروا نہیں کی، یونہی چل پڑا، ایک خاتون جو اُس ہوٹل میں مستقل مقیم تھی اور اکثر ناشتہ اور ڈنر پر اُس سے ملاقات اور گفتگو رہتی تھی وہ سامنے سے آ رہی تھی اُس نے چیسٹر کا بٹن ٹوٹا ہوا دیکھا تو اُس کی طرف اشارہ کرکے بولی "ارے یہ کیا؟" میں نے کہا "کوئی مضائقہ نہیں ہے" اُس نے کہا "جی نہیں! بُرا معلوم ہوتا ہے، آپ ابھی واپس چلئے" چنانچہ میں کمرہ میں واپس آیا اور چیسٹر اُس کو دیا، وہ گئی اور اپنے کمرہ میں بٹن ٹانک کر اسے لاکر میرے حوالہ کیا، میں نے شکریہ ادا کیا تو اُس نے کہا "میں نے یہ اس لئے کیا ہے تاکہ آپ یہ محسوس نہ کریں کہ آپ پردیس میں ہیں۔

احباب کو معلوم ہے میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا اور ہر دساور کا نمک چکھا ہے، یعنی میرا تعلق مسلم درسگاہوں سے بھی رہا ہے اور غیر مسلم اداروں سے بھی اور مسلم اداروں میں تعلیم قدیم کی درسگاہیں اور تعلیم جدید کے ادارے دونوں شامل ہیں، مگر مجھے صد درجہ ندامت و شرمندگی سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آپس میں جو رشک و حسد، غیبت و بدگوئی اور لگائی بجھائی میں نے مسلمان اداروں میں دیکھی ہے وہ غیر مسلم اداروں میں نہیں دیکھی، دلی کے مشہور سینٹ اسٹیفنس کالج کا میں طالب علم بھی رہا اور چھ برس تک اُستاد بھی، حق یہ ہے کہ جو دماغی سکون و اطمینان مجھ کو اس کالج اور دلی یونیورسٹی کی فضا میں نصیب ہوا وہ کلکتہ مدرسہ میں نہیں ملا، اور اب علی گڈھ میں وہ ناپید ہے۔ دیوبند میری طالب علمی کے زمانہ میں روحانیت اور اخلاق کا مرکز تھا، مگر اب وہ بھی کام جوئی و مطلب برآری کا گھر بنتا جا رہا ہے، مجھے اب تک یاد ہے، ۱۹۴۷ء کی ۵ر ستمبر کو جب آزادیِ ملک کے صدقہ میں میرا گھربار سب کچھ لُٹا اور برباد ہوا، اور ساتھ ہی میں نے ان دنوں میں جو وحشت انگیز و انسانیت سوز مناظر دیکھے اور سُنے اُن سب کا میرے دماغ پر نفسیاتی اثر یہ تھا کہ میں یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ اب انسان اور انسانیت دونوں کا خاتمہ ہوگیا ہے اور میں جن لوگوں کے درمیان رہ رہا ہوں وہ وحشی درندے اور بھیڑیئے ہیں جنھوں نے انسانوں کا روپ دھار لیا ہے، لیکن انہیں دنوں میں سینٹ اسٹیفنس کالج کے پرنسپل اور وائس پرنسپل نے میری خاص طور پر اور عام ظلم رسیدہ مردوں اور عورتوں کی عموماً جو مدد اپنی جانوں پر کھیل کر کی ہے اُس کا مجھ پر غیر معمولی اثر ہوا اور ان لوگوں کو دیکھ کر محسوس ہوا کہ نہیں انسانیت فنا نہیں ہوئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ اب بھی باقی ہے، یہ حال تو اپنے ملک کا تھا، باہر جا کر یہ چیز اور زیادہ محسوس ہوئی، ہمارے ہاں آئے دن طلباء کے ہنگامے اور مظاہرے ہوتے رہتے ہیں، اساتذہ مختلف طریقوں سے اپنی بے چینی کا اظہار کرتے رہتے ہیں اور ہماری یونیورسٹیوں کے حدودِ اربعہ سیاست کی دراندازی سے محفوظ نہیں ہیں، چنانچہ ماہرین تعلیم کو اُس کا اظہار ہے کہ آزادی کے بعد سے اب تک اگرچہ یونیورسٹیوں کی تعداد دہ چند ہو گئی اور تعلیم کا بجٹ بھی کہیں سے کہیں پہونچ گیا ہے، لیکن تعلیم کا معیار اونچا نہیں ہو سکا ہے اور نتائج خاطر خواہ پیدا نہیں ہو رہے ہیں، اس کے برخلاف ان ملکوں کا حال یہ ہے کہ جو جس کام پر لگا ہوا ہے اُس سے اُس کو پوری دلچسپی ہے، اور پورے انہماک اور یکسوئی کے ساتھ اسے انجام دے رہا ہے، اس ماحول اور فضا کا خود مجھ پر یہ اثر ہوا کہ وہاں کے آٹھ مہینوں کے قیام میں میں نے اپنے فرائضِ منصبی ادا کرنے کے علاوہ مطالعہ اور تصنیف و تالیف کا اتنا کام کیا ہے کہ غالباً یہاں دو برس میں بھی نہیں کر سکتا، انگریزی اور عربی کی پچاس ساٹھ کتابیں از اوّل تا آخر پڑھ ڈالیں، ابھی پچھلے دنوں میرے دو تحقیقی مقالے "الصابئون" اور "الامیون" جو مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے سہ ماہی مجلہ "فکر و نظر" میں شائع ہوئے ہیں، یہ میں نے وہیں لکھے تھے اور اس سلسلہ میں انسٹیٹوٹ کے احباب کی مدد سے جرمنی اور فرانسیسی زبانوں کی کتابوں سے استفادہ کیا تھا، علاوہ ازیں اپنی کتاب "اسلام کا نظامِ تشریع" کے لئے میں نے نوٹ لئے جو سو صفحات سے کم نہیں ہیں، پھر بعض اور مقالات جو میرے پیشِ نظر ہیں اُن کے سلسلہ میں بھی کچھ کام کیا، غرض کہ اُس ماحول اور آب و ہوا میں رہ کر خود بخود کام کرنے کا جذبہ اور طبیعت میں آمادگی اور یکسوئی پیدا ہوتی ہے۔

فرض شناسی اور محنت فیلو فیلنگ کے علاوہ ان لوگوں کا ایک نمایاں وصف فرض شناسی اور محنت ہے، یہاں ہفتہ میں پانچ دن کام کرنے کے ہیں اور دو دن یعنی ہفتہ اور اتوار چھٹی کے، اِن پانچ دنوں میں لوگ اس طرح کام کرتے ہیں کہ مجال نہیں اوقاتِ کار کا ایک لمحہ بھی گپ شپ یا غیر ضروری باتوں میں صرف ہو سکے، یہ دو دن جو چھٹی کے ہیں، تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ وہاں نوکر اور خدمت گذار وغیرہ نہیں ہیں، اس لئے ان دو دنوں میں سے ایک دن گھر کے سب مرد و عورت گھر کی صفائی، کپڑوں کی دُھلائی، یا اشیاء کی خرید و فروخت میں صرف کرتے ہیں، اور اتوار کو صبح کے وقت گرجا میں جاتے اور باقی وقت سیر و تفریح میں گذارتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جسے ہم ہواخوری کہتے ہیں اور وہ (OUTING) اس کو سیر و تفریح میں بڑا دخل ہے، اس کو بھی خلوص اور دل جمعی سے اسی طرح انجام دیتے ہیں جس طرح وہ کام کرتے ہیں، وہاں کی مدتِ قیام میں مجھے متعدد دفتروں اور اداروں میں مختلف ضرورتوں سے جانا ہوا، اور آپ کو یہ سُن کر تعجب ہوگا کہ کسی جگہ پانچ منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوئے، اس پر خوش اخلاقی کا یہ عالم کہ کسی دفتر میں کسی جگہ جائیے، آپ جس کام کے لئے گئے ہیں اُس کا انچارج مرد ہو یا عورت پہلے آپ کا مسکراتے ہوئے گڈ مارننگ سے استقبال کرے گا اور پھر آپ کا کام پوچھے گا، کام کے ہوجانے پر جب آپ اُس کا شکریہ ادا کریں گے تو بھر خندہ پیشانی سے وہ اس کا جواب دے گا، محنت اور جفاکشی اُس درجہ کی ہے کہ بڑے سے بڑے آدمی کو کسی کام میں عار نہیں ہے۔

ہمارے انسٹیٹوٹ میں ڈاکٹر واٹسن جو لائبریرین تھے انہیں دیکھ کر حیرت ہوتی تھی، کتابوں کے بہت بھاری بھاری بنڈل وہ نہایت بے تکلفی سے ایک منزل سے دوسری منزل میں اور ایک کمرہ سے دوسرے کمرہ میں اٹھائے پھرتے تھے، یہاں کا معیارِ زندگی کتنا اونچا اور چیزیں کس قدر گراں ہیں؟ ہر شخص جانتا ہے، لیکن اس کے باوجود خوش حالی عام ہے، ہر شخص مطمئن اور خوش ہے، اُس کی وجہ یہی ہے کہ یہ لوگ محنت اور جفاکشی کے عادی ہیں، ہر ایک اپنے کام سے شغف اور دلچسپی رکھتا ہے۔ کسی کو کسی کام میں عار اور ننگ نہیں ہے گھر میں جتنے آدمی ہیں سب محنت کرتے اور کماتے ہیں، کوئی کسی پر بوجھ نہیں ہے، اونچی کلاس کے لوگوں تک لڑکے کالج کی تعطیلات میں کسی کارخانہ وغیرہ میں عارضی نوکری کے لئے نکل جاتے ہیں جسے وہاں VACATION JOB کہتے ہیں۔ اس کے دو فائدے ہوتے ہیں، ایک یہ کہ تعلیم کے ساتھ ان کو زندگی کا عملی تجربہ بھی ہوتا ہے اور خود کمانے کے باعث اُن میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے اور دوسرے یہ کہ والدین کو اس سے مدد پہونچتی ہے، امریکہ اور کناڈا میں سب سے زیادہ مانگ جس چیز کی ہے وہ لیبر یعنی مزدوری ہے، اس بنا پر مزدور کی قدر بھی زیادہ ہے، شام کے وقت کسی شیرخوار بچہ کے ماں باپ کو کسی تقریب میں یا سینما میں جانا ہے تو آس پاس کی کسی عورت کو بلا لیا اور بچہ اُس کے سپرد کر کے چلے گئے، دونوں واپس آئے اور عورت دو تین ڈالر جیب میں ڈال گھر پہونچی ——

رستورانوں میں جو لوگ (مرد کم اور عورتیں زیادہ) کھانا کھلاتے ہیں، سینما گھروں اور کلبوں میں جو عورتیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف اور کوٹ رکھنے کا کام کرتی ہیں، اور اسی طرح جو لڑکیاں بڑی بڑی دکانوں پہ سیلین کا کام کرتی ہیں، ان میں صرف غریب طبقہ کی عورتیں نہیں ہوتیں، بلکہ اچھے خاصے کھاتے پیتے گھروں کی بھی خواتین ہوتی ہیں تین چار گھنٹے اس طرح کام کرتی ہیں اور بیس پچیس ڈالر روزانہ کما لیتی ہیں، یہ سوسائٹی بالکل غیر طبقاتی تو نہیں ہے، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ یہاں طبقاتیت کے پردے زیادہ دبیز اور موٹے نہیں ہیں، کسی کی ظاہری ہیئت، وضع اور طور وطریق سے یہ پتہ چلانا مشکل ہے، کہ وہ امیر ہے یا غریب، کسی کارخانہ کا مالک ہے یا اُس کا ملازم، دونوں اگر ایک جگہ بیٹھے ہوں تب بھی اُن میں تمیز کرنا مشکل ہے، میرے ہوٹل میں تین چار دن کے لئے ایک جوڑا آکر ٹھہرا اُن کے ساتھ اُن کا شوفر بھی تھا۔ میں نے دیکھا کہ میاں بیوی اور اُن کا یہ شوفر تینوں ایک ہی میز پر بیٹھ کر ایک ساتھ ناشتہ کرتے اور کھانا کھاتے تھے، اور آپس میں گفتگو بھی بے تکلفی سے کرتے تھے، پھر لباس بھی یکساں ہی تھا، ہمارے ہوٹل کا مالک میرے خیال میں تین چار ہزار ڈالر ماہانہ کی آمدنی سے کم کا ہرگز نہیں ہوگا، لیکن اس کے باوجود اس کا ایک بھائی کھانا پکاتا اور یہ خود کھانا کھلاتا تھا، اور اتوار کے دن صبح سے شام تک بالکل مزدوروں کی طرح لگ کر یہ پورے ہوٹل کی صفائی کرتے تھے۔

مکمّل لُغات القرآن (۶ جلدوں میں)

مؤلفہ: مولانا عبدالرشید صاحب عثمانی
مولانا سیّد عبدالدائم صاحب جلالی

اُردو زبان میں لغتِ قرآن کے موضوع پر ایک جامع مکمل اور مستند کتاب، ایک مدرس اس کتاب کو پڑھ کر قرآن مجید کا بہترین درس دے سکتا ہے اور ایک عام اُردو خواں قرآن شریف کا ترجمہ بہت اچھی طرح کر سکتا ہے اور اس کے مضامین کو بخوبی سمجھ سکتا ہے، لغاتِ قرآن کے ساتھ ہی الفاظِ قرآن کی ایک مکمّل فہرست دیدی گئی ہے، جس سے ایک لفظ کو دیکھ کر تمام لفظوں کے حوالے بڑی سہولت سے نکالے جا سکتے ہیں۔

جلد اول: ص ۳۳۴ قیمت -/۵ مجلد -/۶ — جلد چہارم: ص ۳۸۶ قیمت -/۶ مجلد -/۷
جلد دوم: ص ۳۳۰ قیمت -/۵ مجلد -/۶ — جلد پنجم: ص ۵۰۰ قیمت ۶/۵۰ مجلد ۷/۵۰
جلد سوم: ص ۳۰۸ قیمت ۴/۵۰ مجلد ۵/۵۰ — جلد ششم: ص ۳۲۶ قیمت ۴/۵۰ مجلد ۵/۵۰

پوری کتاب کے مجموعی صفحات ۲۱۸۴ بڑی تقطیع قیمت ۳۱/۵۰ مجلد ۳۷/۵۰

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد، دہلی ۶

© rasailojaraid.com